POSTED AT LPC Delhi RMS
ON 24-25 September 2024, R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) - 01/1195/2024-26, Licensed to Post
Without Prepayment U (C) - 160/2024-26, ISSN 2456-8511

Total Pages
8

HAMARI
ZABAN
(Weekly)

ہفت روزہ
ہماری زبان

اشاعت کا 85 واں سال

Date of Publication: 23-09-2024 • Price: 5/- • 1-7 October 2024 • Issue: 37 • Vol:83

یکم تا ۷ اکتوبر ۲۰۲۴ء • شمارہ: ۳۷ • جلد: ۸۳

پہلی قسط

سوانحی لُغات اور اہلِ قلم کی درست تاریخ ہائے پیدائش و وفات

رؤف پاریکھ

تاریخ اور وفیات سے مسلمانوں کو خاص دل چسپی رہی ہے اور جن محققین نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیثِ مبارکہ کی روایت کی تحقیق کی انھوں نے کم وبیش ایسے پانچ لاکھ افراد کا حال تحقیق کے بعد قلم بند کیا جن کا ذکر حدیث کی روایت میں آتا ہے اور اس طرح اسماء الرجال کے علم کی بنیاد رکھی[1]۔

☆ سوانحی لغات اور وفیات کی اہمیت

اردو، فارسی، عربی اور ترکی میں وفیات نگاری پر محترم ڈاکٹر عارف نوشاہی نے ایک نہایت قابلِ قدر مقالہ بعنوان 'وفیات نویسی کی روایت: عربی، فارسی ترکی اور اردو میں' سپردِ قلم کیا تھا جو مالک رام کی چار جلدوں پر مبنی تذکرۂ معاصرین کے نئے ایڈیشن میں پیش لفظ کی حیثیت سے بھی شامل ہے اور کہیں اور بھی شائع ہوا ہے[2]۔ عارف نوشاہی صاحب کے مقالے کے مندرجات کو یہاں دہرانا مقصود نہیں، مطلوب صرف یہ عرض کرنا ہے کہ وفیات نگاری ایک اہم علمی سرگرمی ہے اور مسلمانوں کی زبانوں میں اس کی قدیم روایت موجود ہے۔ عربی اور فارسی میں سوانحی لغات بھی تیار کی گئی ہیں اور مختلف دائرہ ہائے معارف (انسائیکلوپیڈیا) میں بھی اہم ادبی شخصیات کا حال مل جاتا ہے۔ لیکن افسوس کہ اردو میں اہلِ علم وقلم کی کوئی ایسی ضخیم وبسیط سوانحی لغت یا بایوگرافیکل ڈکشنری (biographical dictionary) موجود نہیں ہے جو اردو اور پاکستان کی دیگر زبانوں کے ادب کی اہم شخصیات، ان کی خدمات اور کتب کا ذکر سند کے ساتھ کرے، اگرچہ بعض کام مستند ہیں مگر وہ مفصّل نہیں اور بعض میں اغلاط بھی ہیں۔ کلاسیکی دور کے شعرا کا ذکر تذکروں میں مل جاتا ہے لیکن وہ تشنہ اور اکثر تحقیق طلب ہے۔ تذکروں، تواریخِ ادب اور بعض رسائل مثلاً نقوش کے شخصیات نمبر یا آپ بیتی نمبر وغیرہ سے خاصی مدد مل سکتی ہے لیکن اختصار و جامعیت کے ساتھ سوانحی حالات میسر نہ ہونے کے سبب کسی شخصیت کے حالات جاننے کے لیے کئی کتابیں دیکھنی پڑتی ہیں اور ایم فل یا پی ایچ ڈی کی سند کے لیے تحقیقی کام کرنے والے طالبِ علموں کے پاس اتنا وقت کہاں ہوتا ہے کہ وہ ایک ایک شاعر یا ادیب کی مستند تاریخِ پیدائش یا وفات کے لیے کئی کئی کتابیں ٹٹولیں۔ نیز بعض اہلِ قلم کے مستند حالات اور تاریخیں کم ہی میسر ہیں۔ طالبِ علموں کے علاوہ عام محققین کو بھی لکھنے والوں کی مستند تاریخوں کے لیے متعدد کتابوں کی ورق گردانی کرنی پڑتی ہے اور اس میں بھی کامیابی یقینی نہیں بلکہ بعض صورتوں میں غلط تاریخیں بھی لکھ دی جاتی ہیں۔ لہٰذا اردو میں ایک بسیط و مستند سوانحی لغت کی تیاری اشد ضروری ہے۔

☆ سوانحی لغات: انگریزی میں کیے گئے چند معروف کام

یہ عاجز طالبِ علم خاصے عرصے تک اہلِ قلم کی تاریخ ہائے پیدائش و وفات اور حالاتِ زندگی پر مواد جمع کرتا رہا ہے اور اس کے پیچھے بنیادی خیال اردو کی ایک سوانحی لغت کی تیاری تھی۔ انگریزی میں اس طرح کی کتب بآسانی اور بکثرت دست یاب ہیں۔ سی ای بک لینڈ (C.E.Buckland) کی Dictionary of Indian Biography[3] سوانحی تفصیلات اور شخصیات کی تعداد دونوں لحاظ سے بہت مختصر ہے گو اس میں بعض اہم معلومات بالخصوص ان اہلِ علم کے بارے میں مل جاتی ہیں جو عہدِ برطانیہ میں برِعظیم پاک و ہند میں مصروفِ کار رہے۔ لیکن اس کے بعد شائع ہونے والے بعض کام مثالی ہیں، مثلاً برطانیہ کی ڈکشنری آف نیشنل بایوگرافی (Dictionary of National Biography)، جو ساٹھ (۶۰) جلدوں پر مشتمل ہے اور ڈی این بی (DNB) کے مخفّف سے جانی جاتی ہے، خاصی معروف ہے۔ یہ اس لحاظ سے قابلِ رشک ہے کہ مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والی برطانوی تاریخ کی اہم بلکہ غیر اہم شخصیات کے بھی حالاتِ زندگی اور کاموں کا مستند ذکر، خواہ تفصیلی خواہ مختصر، اس میں دست یاب ہو جاتا ہے اور کسی شخصیت سے متعلق کسی واقعے کا محض سال یا تاریخ جاننے کے لیے بیسیوں کتابیں نہیں کھنگالنی پڑتیں۔ ڈی این بی کا آغاز 1885 میں ہوا تھا اور اب اسے اوکسفرڈ کے زیرِ اہتمام شائع کیا جاتا ہے۔ یہ سوانحی لغت پچاس ہزار سے زیادہ افراد کے حالاتِ زندگی اور کارہائے نمایاں بیان کرتی ہے اور اب برخط یعنی آن لائن (online) بھی دست یاب ہے[4]۔

اس کے علاوہ بھی انگریزی میں اس طرح کے بیسیوں کام موجود ہیں جو مختلف خطّوں یا ملکوں یا شعبوں کی معروف شخصیات کے حالاتِ زندگی اور ان کے اہم کاموں کو پیش کرتے ہیں۔ سب کی تفصیل دینے کی یہاں گنجائش نہیں ہے اور اگر انگریزی میں The Oxford Companion to English Literature[5] اور The Oxford Companion to American Literature[6] کی مثال ہی کو سامنے رکھا جائے تو اردو کی اہم شخصیات، کتب، ادبی کرداروں، اہم تلمیحات اور ادب میں مذکور مقامات کا مختصر، جامع اور مستند ذکر ایک ضخیم جلد میں سما سکتا ہے۔

☆ سوانحی لغت: اردو میں چند پرانے کام

اسی خیال کے تحت کہ کاش اردو میں بھی ایسا کوئی سلسلہ ہو سکے راقم نے اپنی بے بضاعتی کے شدید احساس اور بعض بزرگوں (مثلاً مشفق خواجہ صاحب) کے انتباہات کے باوجود (کہ یہ ایک جان لیوا کام ہے)، ریزہ ریزہ جمع کرنا شروع کیا۔ اس ضمن میں بعض کتب نظر سے گزریں، مثلاً محمد علی حیدر کاکوروی کی تذکرۂ مشاہیرِ کاکوروی[7]۔ اسی طرح 'قاموس المشاہیر' جو نظامی بدایونی کی تالیف ہے اور دو جلدوں میں شائع ہوئی[8]۔ مولفِ قاموس المشاہیر نے اس میں درج معلومات کئی کتابوں سے اخذ کرنے کا دعوا کیا تھا لیکن درحقیقت یہ طامس ولیم بیل (Thomas William Beale) کی معروف کتاب An Oriental Biographical Dictionary سے 'دل کھول کر استفادے' کا نتیجہ تھی۔ بیل کی اس کتاب کو ایشیاٹک سوسائٹی اوف بنگال نے اس کی وفات (آگرہ، 1875) کے بعد 1881 میں شائع کیا تھا اور 1884 میں اس کا دوسرا اور اضافہ شدہ ایڈیشن شائع ہوا۔

قارئین! اب 'ہماری زبان' کا مطالعہ انجمن ترقیِ اردو (ہند) کی ویب سائٹ www.atuh.org پر بھی کر سکتے ہیں جہاں اِسے مفت میں ڈاؤن لوڈ کرنے کی سہولت بھی موجود ہے۔

طامس ولیم بیل کی ایک اور کتاب جو برعظیم پاک و ہند میں بہت معروف رہی ہے 'مفتاح التواریخ' کے نام سے ہے۔ یہ فارسی میں ہے۔اس میں تاریخی واقعات کے علاوہ برِّعظیم پاک و ہند اور اسلامی دنیا کی اہم شخصیات سے متعلق معلومات بھی موجود ہیں[9]۔

'قاموس المشاہیر' میں بہت اغلاط تھیں اور اس پر اس زمانے میں بعض اہلِ علم خاص طور پر احمد اللہ قادری نے بعض رسائل میں سخت تنقید کی اور بعد ازاں اسے تنقیدِ قاموس المشاہیر کے نام سے دو جلدوں میں کتابی صورت میں بھی شائع کیا تھا[10]۔ قاموس المشاہیر ۱۹۹۹ء میں افضل حق قرشی کی 'نظرِ ثانی' کے بعد (بے جا طور پر نام بدل کر) 'مشاہیرِ مشرق' کے نام سے لاہور سے شائع ہوئی[11]۔ عقیل عباس جعفری نے روزنامہ 'جسارت' (کراچی) کے ادبی صفحے پر اس نئے ایڈیشن پر بجا طور پر تنقید کی۔ جعفری صاحب کا کہنا تھا کہ قاموس المشاہیر کا یہ ایڈیشن احمد اللہ قادری کی تنقیدِ قاموس المشاہیر کو دیکھے بغیر شائع کیا گیا ہے اور اگر اس سے استفادہ کیا جاتا تو یہ ایڈیشن بہتر صورت میں شائع کیا جاسکتا تھا۔ یہ اعتراض بالکل درست تھا۔ اس کے علاوہ کتاب کے نام کی تبدیلی کا بھی کوئی جواز نہیں تھا۔ اس کے بعد 'قاموس المشاہیر' کا ایک ایڈیشن پٹنے سے شائع ہوا[12]۔ اس میں پہلے ایڈیشن میں شامل صحت نامے کی مدد سے اغلاط کی تصحیح کی گئی اور احمد اللہ قادری کے تنقیدی کتابچے کا دوسرا حصہ بھی شامل کیا گیا۔

انجمن ترقیِ اردو پاکستان نے 'ماخذات: احوالِ شعرا و مشاہیر' کے عنوان سے ایک عمدہ کام شروع کیا تھا جس میں ان مآخذ کی نشان دہی کی گئی ہے جو اہلِ علم و اہلِ قلم سے متعلق ہیں۔ یہ نہایت اہم اور مفید کام تھا لیکن افسوس کہ یہ تین جلدوں میں الف تک کے اندراجات پر پہنچ کر تعطل کا شکار ہو گیا[13]۔

☆ وفیات اور سوانحی لغت: پاکستان میں

پاکستان میں اس نوعیت کے دیگر کاموں کی اشاعت میں مختلف ادارے بھی شامل رہے ہیں اور کچھ افراد انفرادی طور بھی سوانحی لغت یا وفیات کے ضمن میں کام کرتے رہے ہیں۔ سب کا ذکر یہاں ممکن نہیں ہے۔ البتہ ان میں سے کچھ یہ ہیں:

— سخن ورانِ کاکوروی، از نثار احمد علوی (کراچی: مے خانۂ ادب، ۱۹۷۸ء)۔
— پاکستانی اہلِ قلم کی ڈائریکٹری (اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۱۹۷۹ء)۔
— ہمارے اہلِ قلم، از زاہد حسین انجم (لاہور: ملک بک ڈپو، ۱۹۸۸ء)۔
— ڈائرکٹری: بچوں کی کتابوں کے مصنّفین (لاہور: نیشنل بک کاونسل آف پاکستان، 1989)۔
— وفیاتِ مشاہیرِ پاکستان، از محمد اسلم (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۰ء)۔
— خفتگانِ کراچی، از محمد اسلم (لاہور: ادارۂ تحقیقاتِ پاکستان، ۱۹۹۱ء)۔
— خفتگانِ خاکِ لاہور، از محمد اسلم (لاہور: ادارۂ تحقیقاتِ پاکستان، ۱۹۹۳ء)۔
— دبستانوں کا دبستان: کراچی (چار جلدیں) از احمد حسین صدیقی (کراچی: محمد حسین اکیڈمی، ۲۰۰۳ء، ۲۰۰۵ء، ۲۰۱۰ء، ۲۰۱۴ء)۔
— لاہور میں مدفون مشاہیر، از ایم آر شاہد (لاہور: الفیصل، ۲۰۰۳ء)۔
— وفیاتِ نامورانِ پاکستان، از محمد منیر سلیچ (لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۲۰۰۶ء)۔
— وفیاتِ اہلِ قلم، از محمد منیر سلیچ (اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۸ء)۔
— ڈائریکٹری پاکستانی مترجمین، از محمد اسلام نشتر (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۹ء)۔
— چند تصویرِ رفتگاں، از احمد حسین صدیقی (کراچی: سرسید یونی ورسٹی آف انجینئرنگ، ۲۰۰۹ء)۔
— اہلِ قلم ڈائریکٹری، از علی یاسر (اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۱۰ء)۔
— تنہائیاں بولتی ہیں، از محمد منیر سلیچ (اسلام آباد: نیشنل بک فاونڈیشن، ۲۰۱۲ء)۔
— وفیاتِ معارف، از محمد سہیل شفیق (کراچی: قرطاس، ۲۰۱۳ء)۔
— کراچی میں مدفون شعرا، از اظہر عباس ہاشمی (ساکنانِ شہرِ قائد ٹرسٹ، ۲۰۱۴ء)۔
— لاہور کے اہلِ قلم کا تذکرہ، از ایم آر شاہد (لاہور: الفیصل، ۲۰۱۴ء)۔
— وفیاتِ مشاہیرِ کراچی، از محمد منیر سلیچ (کراچی: قرطاس، ۲۰۱۶ء)۔
— بجھتے چلے جاتے ہیں چراغ، از محمد منیر سلیچ (لاہور: قلم فاونڈیشن، ۲۰۱۸ء)۔
— روشنی کے سفیر (جلد اول)، از راشد حمید و صفدر رشید (اسلام آباد: ادارۂ فروغِ قومی زبان، ۲۰۱۸ء)۔
— وفیاتِ مشاہیرِ لاہور، از محمد منیر سلیچ (لاہور: قلم فاونڈیشن، ۲۰۱۸ء)۔
— وفیاتِ برہان، از محمد سہیل شفیق (کراچی: قرطاس، ۲۰۱۸ء)۔
— وفیاتِ مشاہیرِ خیبر پختون خوا، از محمد منیر سلیچ (لاہور: قلم فاونڈیشن، ۲۰۱۹ء)۔
— خفتگانِ خاکِ گوجرانوالا، از محمد اسلم اعوان (گوجرانوالا: جہانِ نو پبلی کیشنز، ۲۰۲۱ء)۔
— روشنی کے سفیر، از انجم حمید (اسلام آباد: ادارۂ فروغِ قومی زبان، ۲۰۲۲ء)۔

ان میں سے بعض کام عمدہ ہیں، بعض میں کچھ کمیاں ہیں اور بعض میں اغلاط ہیں، مثلاً احمد حسین صدیقی مرحوم کے کام میں تسامحات موجود ہیں۔ پھر انھوں نے کہیں حوالہ نہیں دیا، آخر میں فہرستِ ماخذ ضرور ہے لیکن اس سے یہ علم نہیں ہوتا کہ کون سی معلومات کس کتاب کے کس صفحے سے لی گئی ہیں اور ان معلومات کی تصدیق ممکن نہیں۔ اس میں شامل فہرستِ مآخذ میں بھی بعض اندراجات نامکمل ہیں، مثلاً بعض مقامات پر سالِ اشاعت بلکہ کتاب کے ناشر کا نام تک ندارد ہے۔ البتہ انھوں نے جن اہلِ قلم سے خود مل کر ان کے حالات دریافت کیے یا لکھوائے وہ مستند کہے جاسکتے ہیں۔

پروفیسر محمد اسلم مرحوم نے بہت محنت کی اور پاکستان کے مختلف شہروں کے قبرستانوں میں جا کر قبور کی الواح کو نقل کر کے وفیات نگاری کا سلسلہ شروع کیا۔ پروفیسر صاحب کی مرتّبہ یہ کتب تاریخوں کے ضمن میں معاون تو ہیں لیکن ان میں کئی تاریخیں اور مصرعے غلط نقل ہوئے ہیں۔ خدا جانے کاتبوں اور کمپوزروں کا اس میں کتنا ہاتھ ہے اور پروفیسر صاحب سے کہاں کہاں سہو ہوا ہے۔ لیکن ایک مصرع اگر غلط نقل ہوا ہے اور اس سے سال بھی برآمد ہو رہا ہے تو معاملہ مشکوک ہو جاتا ہے۔ بہر حال وفیات نگاری کے ضمن میں ان کے کاموں کی اہمیت ہے۔

اس موضوع پر کئی کتب راقم نے جمع کر لیں اور کچھ کام بھی شروع کیا۔ لیکن جب ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ صاحب نے وفیات کا سلسلہ شروع کیا تو خوشی ہوئی۔ سلیچ صاحب کی متعدد کتابیں اس موضوع پر ہیں جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ انھوں نے تحقیق کے بعد مستند کوائف مہیا کیے اور پچھلی کتابوں کی اغلاط کی بھی نشان دہی کی، البتہ ان کی بعض کتابوں میں تکرار ہے یعنی ایک ادیب کی تاریخ جو کسی ایک کتاب میں ہے وہی دوسری کتاب میں بھی ہے جو مختلف عنوان کے تحت شائع ہوئی ہے۔ ہونا یہ چاہیے کہ منیر سلیچ صاحب کی مرتّب کردہ ان تمام وفیات کو مع کوائف و اسناد ایک جگہ الف بائی ترتیب سے مرتب کر لیا جائے، خاص طور پر اہلِ قلم کی تاریخ ہائے پیدائش و وفات کو (دیگر شعبوں مثلاً سیاست یا کھیل وغیرہ کو چھوڑ کر)، چاہے یہ کام متعدد جلدوں میں کرنا پڑے۔

چناں چہ اس اطمینان کے بعد کہ سوانحی لغت نہ سہی اور اہلِ قلم کے مکمل حالات نہ سہی، کم از کم اہلِ قلم کے بنیادی کوائف سند کے ساتھ محفوظ تو ہو رہے ہیں اور سابقہ کاموں کی اغلاط کی تصحیح بھی ہو رہی ہے، تب خیال آیا کہ اب راقم کو کوئی اور کام کرنا چاہیے لہٰذا اس بھاری پتھر کو راقم نے چوم کر چھوڑ دیا۔ اس طرح وہ سارا پلندا، بقولِ غالب، 'نقش و نگارِ طاقِ نسیاں' ہو گیا۔

☆ ہندستان میں سوانحی لغت اور وفیات

اُدھر ہندستان میں اردو سے متعلق اس موضوع پر جو کام شائع ہوئے ہیں ان میں سے بھی چند کا ذکر کر دیا جائے۔ انگریزی میں ہندستان سے انٹرنیشنل انسائیکلو پیڈیا آف انڈین لٹریچر (International Encyclopaedia of Indian Literature) شائع ہوئی جس کی ساتویں جلد اردو ادب سے متعلق ہے[14]۔ یہ ایک عمدہ کام ہو سکتا تھا لیکن اس میں فاش اغلاط ہیں، مثلاً قرۃ العین حیدر کو سید سجاد حسین کی بیٹی لکھا گیا ہے۔ (ص ۹)، (جو اودھ پنچ کے مدیر تھے جب کہ قرۃ العین حیدر کے والد کا نام سید سجاد حیدر یلدرم تھا)۔ اسی کتاب میں ایک اور جگہ ان کے والد کا نام سید سجاد حسین (کذا) یلدرم تو لکھا گیا ہے لیکن یلدرم کے ہجے Aldarem کیے گئے ہیں (ص 178)، (درست Yildirim ہے جو ترکی زبان کا لفظ ہے اور جس کے معنی ہیں آسمانی بجلی)۔ یہ اندراج حرف ایس (S) کی تقطیع میں 'سجاد حیدر' کے عنوان سے ہے جس کے آگے لکھا ہے دیکھیے: Yaldram، (ص ۱۹۶)، گویا یہاں یلدرم کے نئے ہجے ہیں اور وہ بھی غلط۔ قرۃ العین حیدر کے ناول 'آگ کا دریا' کا سالِ اشاعت ۱۹۶۲ء دیا ہے جو درست نہیں (ص ۹) (یہ ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا)۔ مولوی عبدالحق کا سالِ وفات ۱۹۶۰ء لکھا گیا ہے (ص ۲)، (ان کا انتقال 1961 میں ہوا تھا)۔ پطرس کی کتاب کا نام مضامینِ پطرس لکھا گیا ہے (ص ۱۳۵)، (درست نام پطرس کے مضامین ہے)۔ یہ مشتے نمونہ از خروارے ہے۔

مالک رام کی کتاب تذکرۂ ماہ و سال[15] سوانحی لغت تو نہیں لیکن اہلِ قلم کی تاریخ ہائے پیدائش و وفات مع مآخذ اس میں مل جاتی ہیں۔ اس میں مالک رام سے بعض کوتاہیاں ہو گئی ہیں اور کئی اغلاط بھی راہ پا گئی ہیں لیکن اس کے باوجود اس کی اہمیت ہے اور اس میں بعض ایسی نادر معلومات بھی درج ہیں جو کہیں اور نہیں ملتیں۔ گیان چند کے بقول مالک رام کی اس کتاب سے بعض اہلِ علم کے تخلص اور ان کے شاعر ہونے کا پہلی بار علم ہوا اور بعض اہلِ قلم کے اصلی نام معلوم ہوئے کہ کس طرح ایک رومانی، شاعرانہ نام کے پیچھے عام سا نام ہے۔ گیان چند صاحب نے 'تذکرۂ ماہ و سال' کے تسامحات کی نشان دہی اور تصحیح سہ ماہی 'اردو' (کراچی) میں مطبوعہ اپنے ایک عمدہ مضمون میں کی تھی جس کا عنوان تھا: مالک رام کا بے حد مفید و بے حد غلط تذکرۂ ماہ و سال[16]۔

گوپی چند نارنگ اور عبداللطیف اعظمی کی مرتبہ 'ہندوستان کے اردو مصنّفین اور شعرا'[17] دراصل ایک طرح کی ڈائرکٹری ہے جس میں معاصر ہندستانی اہلِ قلم کے کوائف دیے گئے ہیں اور یہ بہت مفید کام ہے اگرچہ اس میں صرف بنیادی کوائف اور تصانیف کے نام ہیں نیز کئی نام شامل نہیں ہو سکے۔ ہندستان سے ایک اور کتاب وفیاتِ مشاہیرِ اردو[18] کے نام سے شائع ہوئی۔ بشارت علی خاں فروغ کی مرتبہ اس کتاب کے بارے میں راقم کو کچھ تحفظات ہیں، مثال کے ...

(بقیہ صفحہ 7 پر)

ترقی پسند تحریک کے ممتاز شاعر کیفی اعظمی

سراج زیبائی

برسوں پہلے اردو ادب کے نامور نقاد پروفیسر شمیم حنفی نے یہ بات کہی تھی کہ اردو شاعری میں ترقی پسند تحریک کی اہم ترین آوازوں میں فیض اور مخدوم کے بعد کیفی اعظمی تیسری بڑی آواز بن کر ابھرے تھے۔ ابتدائی دور میں کیفی صاحب نے رومانی نظمیں کثرت سے لکھی تھیں، مگر جب کمیونسٹ پارٹی کی رکنیت اختیار کی تو آپ نے اپنی شاعری میں انقلابی نظریات پیش کرنا شروع کر دیا۔ یہی سبب ہے کہ مایاوتی (سابق چیف منسٹر آف اتر پردیش) نے 'نیا دور' لکھنؤ کے کیفی نمبر کو پیغام بھیجتے ہوئے کیفی اعظمی کی توصیف میں کہا تھا کہ کیفی اعظمی ایک ایسے ترقی پسند شاعر تھے جنھوں نے اپنی شاعری کے ذریعے عام آدمی کے دکھ درد کی پُر اثر عکاسی کی۔

فرانسیسی شاعر بودلیر نے شاعر کو آفاقی مترجم کہا ہے۔ کیوں کہ وہ فطرت کے تمام مظاہر کی زبان سمجھتا ہے اور اسے ہو بہو شعری کینوس میں ڈھالنے کا ہنر جانتا ہے۔ اسی طرح کیفی اعظمی کی غزلوں میں عموماً معاشرے کے پیدا کردہ جبر کو ہی موضوعِ سخن بنایا گیا ہے۔ زندگی کا ہر تجربہ ان کی شاعری کی گونج بن گیا ہے۔ انھوں نے سماج کے کھوکھلے پن کے خلاف شدید احتجاج کیا ہے۔ اپنی آنکھوں سے زمانے کے تیور دیکھے ہیں اور اپنی شاعری میں ان کا برملا اظہار کر دیا ہے۔ کیفی صاحب نے ہمیشہ اپنی شاعری میں ایسے خوب صورت الفاظ استعمال کیے ہیں جو بھرپور حسّیت کے حامل ہیں۔ ان کے کلام میں زندگی کی حقیقی کربناکی اور سچائی ہر جگہ نظر آتی ہے۔ اس حوالے سے پروفیسر قمر رئیس نے موصوف کی شاعری کا یوں تجزیہ کیا تھا: 'کیفی کی شاعری محض آرزومندی یا خیال آرائی نہیں ہے۔ یہ ان کی زندگی کی سچائیوں اور انقلابی جدوجہد ہی کا روپ ہے۔' اور واقعتاً ان کی شاعری میں جذبات و احساسات پوری شدت کے ساتھ مختلف سانچوں میں ڈھلتے چلے گئے ہیں۔ ان کی شاعری میں جہاں دھوپ اور پیاس کی شدتیں محسوس کی جا سکتی ہیں وہیں وہ انسانی زندگی کی خوب صورت داستان بھی سنا دیتی ہے، بالکل اس طرح:

یہی دنیا ہے تو پھر ایسی یہ دنیا کیوں ہے
یہی ہوتا ہے تو آخر یہی ہوتا کیوں ہے

تم مسرت کا کہو یا اسے غم کا رشتہ
کہتے ہیں پیار کا رشتہ ہے جنم کا رشتہ

ہے جنم کا جو یہ رشتہ تو بدلتا کیوں ہے

کیفی صاحب نے اپنی شاعری میں زمانے کی شکست و ریخت، نفرت و محبت کی تفسیر و تشریح نہایت موثر انداز میں کی ہے۔ آپ زبان و بیان کے الجھاؤ میں پھنسنے کی بجائے اپنی ساری توجہ موضوع پر مرکوز رکھتے تھے، اور اسی مناسبت سے خیالات کا تانا بانا تیار کرتے تھے۔

شاعری قلبی کیفیات، مشاہدات اور احساسات کا موثر ذریعہ ہے۔ ایسی شاعری ذہن و دل کو آسودگی عطا کرتی ہے۔ کیفی صاحب حسن و عشق کی باتوں کو اپنے شعروں کو حسین پیراہن عطا کرتے ہیں۔ کہتے ہیں:

یہ کس طرح یاد آ رہی ہو یہ خواب کیسا دکھا رہی ہو
کہ جیسے سچ مچ نگاہ کے سامنے کھڑی مسکرا رہی ہو
یہ جسم نازک، یہ نرم بانہیں، حسین گردن، سڈول بازو
شگفتہ چہرہ، سلونی رنگت، گھنیرا جوڑا، سیاہ گیسو
نشیلی آنکھیں، رسیلی چتون، دراز پلکیں، مہین ابرو
تمام شوخی تمام بجلی تمام مستی تمام جادو
ہزاروں جادو جگا رہی ہو
یہ خواب کیسا دکھا رہی ہو

معروف شاعر منور رانا اور راحت اندوری کا لب و لہجہ جس طرح ترش ہوتا تھا اسی طرح کیفی اعظمی کے اکثر شعروں میں ایسی تلخ لفظیات ہوتی ہیں جن سے چنگاریاں سی اٹھتی ہیں۔ ان کا قلم زندگی کے تلخ حقائق کو بے باکی سے بیان کرنے پر قادر تھا۔ کیفی صاحب ایک ذی علم، متین اور سنجیدہ شاعر تھے جو ہمیشہ نئے تجربوں کی دریافت کے ماحول میں اپنی 'جون' میں رہتے تھے۔ موصوف کی غزلیہ شاعری کے خوش رنگ نمونے ملاحظہ ہوں:

اعلانِ حق میں خطرۂ دار و رسن تو ہے
لیکن سوال یہ ہے کہ دار و رسن کے بعد
گذرنے کو تو ہزاروں ہی قافلے گذرے
زمیں پہ نقشِ قدم بس کسی کا رہا
جس طرح ہنس رہا ہوں میں پی پی کے گرم اشک
یوں دوسرا ہنسے تو کلیجہ نکل پڑے
پیڑ کے کاٹنے والوں کو یہ معلوم تو تھا
جسم جل جائیں گے جب سر پہ نہ سایہ ہوگا
وہ تیغ مل گئی جس سے ہوا ہے قتل مرا
کسی کے ہاتھ کا اس پر نشاں نہیں ملتا

اس طرح کیفی صاحب کی غزلوں کا اپنا منفرد اسلوب ہوتا ہے۔ انھوں نے شاعری کے ذریعے اپنی ذات سے کائنات کو سمجھنے کی حتی المقدور کوشش کی ہے۔ ویسے درد سے تخلیق کا انوکھا رشتہ ہوتا ہے۔ اس کا احساس کیفی صاحب کے اس طرح کے شعروں سے ہوتا ہے۔

تو اپنے دل کی جواں دھڑکنوں کو گِن کے بتا
مری طرح ترا دل بے قرار ہے کہ نہیں

ان کا کلام وقت کی ضرورت ہے۔ زمانے کی آواز اور احساسات کی شکست و ریخت کی واردات ہے۔ کیفی صاحب کی شاعری میں زورِ بیان اور شوکتِ زبان کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ ان کے فطری و شعری رویّے کو سمجھنے کے لیے یہاں ہم ان کے یہ چند اشعار نوٹ کرتے ہیں جن میں معشوق کے ہجر و وصال کے تذکرے ملتے ہیں:

مدت کے بعد اس نے جو کی لطف کی نگاہ
جی خوش تو ہو گیا مگر آنسو نکل پڑے
وہ پل کہ جس میں محبت جوان ہوتی ہے
اس ایک پل کا تجھے انتظار ہے کہ نہیں
وہ جو مرے نہ رہے میں بھی کب کسی کا رہا
بچھڑ کے ان سے سلیقہ نہ زندگی کا رہا

کیفی صاحب کے ہاں لفاظی بالکل نہیں ہے نہ ہی کوئی کرتب بازی۔ عام مروّجہ زبان اور دل میں اتر جانے والے اسلوب کی چاشنی اور لذت ہوتی ہے۔ موصوف کسی احساس یا جذبے کو دیر تک دل میں رہنے نہیں دیتے بلکہ فوری طور پر اسے شعری جامہ پہنا دیتے ہیں۔ کیفی صاحب کی متاعِ سخن میں جدید طرز کی شاعری بھی زیادہ ہے جس میں نئی لفظیات اور نئے موضوعات کثرت سے ملتے ہیں۔ ان کی شاعری سماجی حالات کی عکاس ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عام آدمی کے دکھ درد کی ترجمان بھی ہوتی ہے، جس میں ہمیں زندگی کی دھڑکنیں صاف سنائی دیتی ہیں۔

کیفی اعظمی کی شاعری کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ ان کی سچ کا انفرادی رنگ شدت سے نمایاں ہوتا ہے۔ ان کی شاعری میں سماج اور معاشرے کا ایک اجتماعی درد شامل ہوتا ہے۔ کہتے ہیں:

دیوانہ پوچھتا ہے یہ لہروں سے بار بار
کچھ بستیاں یہاں تھیں بتاؤ کدھر گئیں
پایا بھی ان کو کھو بھی دیا چپ بھی ہو رہے
اک مختصر سی رات میں صدیاں گذر گئیں

اس طرح کیفی صاحب کی غزلوں میں عموماً معاشرے کے پیدا کردہ جبر کو ہی موضوعِ سخن بنایا گیا ہے اور ان کی زندگی کا تجربہ بھی ان کی شاعری کی گونج بن گیا ہے۔ چوں کہ ان کی شاعری فکر و جذبے سے معمور ہوتی ہے، اس لیے قاری کے ذہنوں پر دیرپا اثر چھوڑتی ہے۔ ان کی مقبولِ عام تصنیف 'آوارہ سجدے' کو باوقار ساہتیہ اکیڈمی ایوارڈ سے سرفراز کیا گیا۔ ان کی دیگر تصانیف میں 'جھنکار'، 'سرمایہ'، 'میری آواز سنو'، 'آخرِ شب'، 'ابلیس کی مجلسِ شوریٰ'، 'خانہ جنگی' اور 'نئی گلستاں' کافی مقبول ہوئیں۔

کیفی صاحب نے اپنی ابتدائی زندگی بڑی مشکلوں میں گزاری۔ لڑکپن کے کئی سال بہرائچ، یوپی میں بیتے۔ یہ بڑی حیرت کی بات ہے کہ محض گیارہ برس کی عمر میں آپ نے شاعری شروع کی۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے تعلیمی فراغت کے بعد 1943 میں ممبئی تشریف لے گئے۔ وہاں کے قیام کے دوران فلمی دنیا میں آپ نے سخت جدوجہد کی۔ بڑی مشکلوں کے بعد انھیں کام ملا۔

کیفی اعظمی نے جو بھی فلمی نغمے لکھے وہ سب عام روش سے ہٹ کر تھے جن میں بھرپور ادبی معیار کے ساتھ تغزل، شعریت اور جذبہ و احساس کی شدت ہوتی تھی۔ آپ کی نظمیں اور غزلیں بھی گیتوں کا مزاج رکھتی ہیں۔ کئی نظمیں فلموں میں بھی استعمال ہوئی ہیں۔ فلمی افق پر کیفی کے نغمے چاند ستاروں کی طرح چمکتے ہیں جیسے آج سوچا تو آنسو بھر آئے، ملے نہ پھول تو کانٹوں سے دوستی کر لی، یوں ہی کوئی مل گیا تھا، بہارو میرا جیون بھی سنوارو، یا 'دل کی سنو دنیا والو' وغیرہ کافی مقبول ہوئے۔

کیفی اعظمی کی مجموعی شاعری کو پڑھ کر یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ ان کے اشعار اپنے بلند تخیل اور طرزِ اظہار کی بدولت اردو شاعری کے سرمایے میں ہمیشہ محفوظ رہیں گے۔

سراج زیبائی
(شیموگہ، کرناٹک)
E-mail: sirajzebayi10@gmail.com
Mobile: 8296694020

اردو دُنیا

حکومت کی ہدایت کے باوجود
سکریٹریٹ میں نیم پلیٹ سے اردو غائب

بغیر اردو والے تمام سائن بورڈ اور نیم پلیٹ بدلے جائیں: محمد رفیع

پٹنہ (25 ستمبر)۔ حکومت کی ہدایت کے مطابق تمام سرکاری عمارتوں، نیم پلیٹ، سائن بورڈ واشتہارات وغیرہ پر ہندی کے ساتھ اردو زبان کا بھی استعمال ہو، نیز گزٹ اردو زبان میں بھی شائع کرنے کی ہدایت ہے، لیکن افسوس کہ حکومت کا نظام جہاں سے چلایا جاتا ہے یعنی سکریٹریٹ، وہاں سائن بورڈ اور ہورڈنگ پر اردو زبان کی موجودگی تو دور کی بات ہے، نیم پلیٹ سے بھی اردو غائب ہے۔ تمام افسران ودفاتر کے دروازے پر ہندی اور انگریزی زبان میں نیم پلیٹ آویزاں ہیں لیکن اردو ندارد۔ یہ باتیں قومی اساتذہ تنظیم بہار کے ریاستی کنوینر اور آزاد صحافی محمد رفیع نے قومی اساتذہ تنظیم بہار کی مجلسِ عاملہ کے رکن نسیم اختر اور منہاج ڈھاکوی کے ساتھ سکریٹریٹ کا دورہ کرنے کے بعد کہی ہیں۔ جناب محمد رفیع نے مزید کہا کہ میں جب بھی سکریٹریٹ جاتا ہوں تو یہ دیکھ کر حیران ہوجاتا ہوں کہ وزیرِ اعلا بہار جناب نتیش کمار کے وزرا کے دفاتر اور ان کے افسران کے نیم پلیٹ سے اردو غائب ہے۔ جناب رفیع نے مزید کہا کہ ہمیں افسوس صرف اس لیے نہیں ہے کہ نیم پلیٹ سے اردو زبان غائب ہے بلکہ اصل وجہ یہ بھی ہے کہ ہندستان میں غیر ملکی زبان انگریزی کو فوقیت دی جارہی ہے اور خالص ہندستانی زبان اردو کا استحصال ہورہا ہے جو بہار میں دوسری سرکاری زبان کی حیثیت رکھتی ہے۔ جناب محمد رفیع نے وزیرِ اعلا بہار جناب نتیش کمار سے اپنی ہی ہدایت کو نافذ کرانے کے لیے ایک ایسی کمیٹی تشکیل دینے کا مطالبہ کیا ہے جو یہ یقینی بتائے کہ حکومت کی ہدایات پر عمل ہورہا ہے یا نہیں۔ اب یہ بات بالکل عام سی ہوگئی ہے کہ جتنے بھی نیم پلیٹ اور سائن بورڈ وغیرہ لگ رہے ہیں اس پہ غیر ملکی زبان انگریزی کو تو دیکھا جارہا ہے لیکن خالص ہندستانی زبان اردو نیم پلیٹ اور سائن بورڈ وغیرہ سے غائب ہے جب کہ پرانے تمام نیم پلیٹوں وغیرہ پر آج بھی اردو زبان اپنی رونق بکھیر رہی ہے اور اسے دیکھ کر ہمیں فخر محسوس ہوتا ہے۔ جناب رفیع نے وزیرِ اعلا بہار جناب نتیش کمار کو ایک مکتوب ارسال کرکے یہ مطالبہ کیا ہے کہ اردو کی بازیابی کے لیے جو ممکن اقدام ہوسکے وہ کریں اور نیم پلیٹ اور سائن بورڈ وغیرہ بنانے والے محکمے وایجنسی کو یہ ہدایت دینے کی مہربانی بھی کریں کہ وہ جلد از جلد تمام ایسے سائن بورڈ، ہورڈنگ اور نیم پلیٹ وغیرہ کو ہٹادیں جس پر اردو نہیں ہے اور ہندی کے ساتھ اردو زبان میں لکھا یا پرنٹ کیا گیا سائن بورڈ، ہورڈنگ اور نیم پلیٹ وغیرہ آویزاں کردیں۔ (قومی تنظیم۔ پٹنہ)

اردو مشاورتی کمیٹی اور اردو اکیڈمی کی تشکیل جلد کی جائے

حاجی پور (25 ستمبر)۔ انوار الحسن وسطوی (جنرل سکریٹری کاروانِ ادب، حاجی پور) نے اخباری بیان جاری کرکے وزیرِ اعلا بہار جناب نتیش کمار سے اردو مشاورتی کمیٹی بہار اور اردو اکیڈمی بہار کی جلد تشکیلِ نو کا مطالبہ کیا ہے۔ جناب وسطوی نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ یہ سچائی ہے کہ وزیرِ اعلا نتیش کمار واقعی ایک 'وکاس پُرش' ہیں۔ انھوں نے ریاست کی ترقی کے لیے بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ انھوں نے مسلمانوں کی فلاح کے لیے بھی بہتیرے کام کیے ہیں جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اردو زبان کے فروغ واشاعت کے تعلق سے جو کام ریاست میں ہونا چاہیے تھا وہ نہیں ہوا، مثلاً اردو مشاورتی کمیٹی اور اردو اکیڈمی بہار میں اردو کے دو بڑے ادارے ہیں جو اردو کی ترویج وترقی کے لیے مختص ہیں، لیکن گذشتہ چھے برسوں سے بھی زائد عرصے سے اردو کے یہ دونوں ادارے حکومت کی عدمِ توجہی کے سبب معطل ہیں جس کی وجہ سے بہار میں اردو کی ترقی اور اس کے فروغ کا کام ٹھپ پڑا ہوا ہے۔ 2015 میں اسپیشل ٹی ای ٹی اردو کے امتحان میں کامیاب قرار دیے گئے 12 ہزار امیدواروں کو فیل کردیا گیا جو سراسر ناانصافی ہے۔ یہ بارہ ہزار لوگ گذشتہ نو برسوں سے اپنے رزلٹ کے انتظار میں در در کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ اسسٹنٹ ٹرانسلیٹروں کی تقرری کا مسئلہ بھی گذشتہ دو برسوں سے زیرِ التوا ہے۔ چار سال قبل (2020) محکمۂ تعلیم کے ایک مکتوب کے ذریعے بہار کے سکنڈری اور ہائر سکنڈری اسکولوں میں اردو کی لازمیت کو ختم کردیا گیا۔ اس کے خلاف بہار کی اردو آبادی نے سخت احتجاج کیا لیکن آج تک اردو کی لازمیت بحال کرنے کا کام نہیں ہوا۔ اس غلط فیصلے کے سبب بہار کے سکنڈری، ہائر سکنڈری، کالج اور یونی ورسٹی تک میں اردو کی درس و تدریس بے حد متاثر ہے۔ اردو کے طلبہ ہر سال گھٹتے جارہے ہیں جو اردو کے لیے بہت ہی تشویش ناک بات ہے۔ اردو کے ساتھ کی گئی ان ناانصافیوں کے خلاف اردو ایکشن کمیٹی بہار اور اردو کونسل ہند کی جانب سے وقفے وقفے سے حکومت کی توجہ مبذول کرائی جاتی رہی ہے لیکن نتیجہ صفر ہی برآمد ہورہا ہے۔ اردو کے ان اہم مسائل سے سرکار کی عدمِ دلچسپی اور لاتعلقی کے سبب بہار کی اردو آبادی میں مایوسی بھی ہے اور حکومت سے ناراضگی بھی۔ انوار الحسن وسطوی نے وزیرِ اعلا بہار سے مذکورہ مسائل پر فوری توجہ دینے کی گزارش کرتے ہوئے بہار کی اردو آبادی کے جذبات واحساسات کو سمجھنے کی توقع کی ہے۔

(قومی تنظیم۔ پٹنہ)

اُردو میڈیم کے تعلق سے سی بی ایس ای کا فیصلہ فسطائی ذہنیت کا نتیجہ

اردو زبان سے وابستہ اہم شخصیات نے فیصلے پر شدید ردِ عمل ظاہر کیا، کہا: اردو میڈیم کے طلبہ کے ساتھ سراسر زیادتی ہے، مرکزی حکومت سے نظرِ ثانی کا مطالبہ

نئی دہلی (19 ستمبر)۔ تقسیمِ ہند کے بعد سے ہی ملک میں زبانِ اُردو کے ساتھ امتیازی سلوک جاری ہے۔ آزادی کے بعد اردو کے ساتھ ہر حکومت نے سوتیلا رویّہ ظاہر کیا ہے لیکن مرکز میں مودی حکومت کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد اردو کے ساتھ اس رویّے نے مزید شدت اختیار کرلی اور اردو کو صرف ایک مذہب کی زبان کا درجہ دینے کی کوشش کرتے ہوئے اردو کو غیر معمولی نقصان پہنچایا جارہا ہے۔ اردو کے ساتھ ناانصافی کا تازہ معاملہ سنٹرل بورڈ آف سینئر سیکنڈری ایجوکیشن (سی بی ایس ای) کے حالیہ فیصلے میں سامنے آیا ہے جس میں سی بی ایس ای کے امتحان کے جوابی پرچے میں طلبہ کو صرف ہندی اور انگریزی زبان کو استعمال کرنے کے لیے کہا گیا یعنی اگر اردو میڈیم کے طلبہ امتحانی پرچے میں اپنا جواب اردو میں لکھتے ہیں تو اس کی جانچ نہیں کی جائے گی۔ وہیں اس فیصلے پر اردو زبان سے وابستہ اہم شخصیات نے شدید ردِ عمل ظاہر کیا ہے اور اس کو اردو میڈیم کے طلبہ کے ساتھ سراسر زیادتی قرار دیا ہے۔ اردو اکادمی دہلی کے سابق وائس چیئرمین پدم شری پروفیسر اختر الواسع نے کہا کہ یہ فیصلہ اردو کے طلبہ کے ساتھ سراسر زیادتی ہے اور یہ ایسے وقت میں لیا گیا ہے جب نئی قومی تعلیمی پالیسی (این ای پی) کے تحت مادری زبان کی تعلیم کو نافذ کیا جارہا ہے۔ انھوں نے سوال کیا کہ سی بی ایس ای 'این ای پی' سے انحراف کرتے ہوئے بچوں کو امتحان میں ان کی مادری زبان میں لکھنے کی اجازت کیوں نہیں دے رہا ہے؟ انھوں نے کہا کہ یہ بنیادی طور پر فسطائی ذہنیت اور مسلم دشمنی کا نتیجہ ہے جس کی ہم مذمت کرتے ہیں۔ اس فیصلے کے ذریعے اردو میڈیم کے بچوں کو ان کی مادری زبان کی تعلیم اور اس میں امتحان دینے سے روکا جارہا ہے۔ انھوں نے کہا کہ مرکزی حکومت اور وزارتِ تعلیم کو سی بی ایس ای کو ہدایت دینی چاہیے کہ وہ اپنے امتحان کا لائحۂ عمل این ای پی کی روشنی میں طے کرے۔

اردو ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن کے قومی صدر ڈاکٹر سیّد احمد خاں نے کہا کہ سی بی ایس ای کے حالیہ فیصلے کا منفی اثر نہ صرف اردو بلکہ علاقائی زبانوں پر بھی پڑے گا، اس سے اردو داں طبقے میں بڑی بے چینی اس لیے بھی ہے کہ بڑے پیمانے پر پرائمری اسکول اردو میڈیم کے بچے جن کے لیے اردو بنیادی ذریعۂ تعلیم تھی، اس کو ہٹانے سے ان بچوں کو بڑی جماعت میں جانے کے لیے بڑی رکاوٹ پیدا ہوگی۔ انھوں نے مطالبہ کیا کہ حکومت عوام کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے اردو کے ساتھ تمام علاقائی زبانوں کے فروغ کا ذریعہ بنے اور سی بی ایس ای میں جو روایت پہلے سے چلی آرہی ہے اس کو برقرار رکھے۔ 'ملاپ' کے جنرل سکریٹری شمس الدین نے کہا کہ سی بی ایس ای کا یہ فیصلہ آئین کی روح، آر ٹی ای ایکٹ 2009 کے ساتھ این ای پی 2020 کے مقاصد کی بھی خلاف ورزی کرتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہندستان میں آج تک جتنی بھی تعلیمی پالیسی، ایکٹ بنے ہیں اُن میں کبھی بھی طلبہ کی مادری زبان کو نظر انداز نہیں کیا گیا ہے، اس لیے سی بی ایس ای کو اس فیصلے پر نظرِ ثانی کرنی چاہیے اور طلبہ کو امتحانی پرچے میں کسی بھی زبان میں جواب دینے کا حق دینا چاہیے۔

دہلی یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو کے استاد پروفیسر امتیاز احمد نے اس فیصلے کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ یہ فیصلہ اردو میڈیم کے طلبہ کے خلاف ہے۔ طلبہ کو کسی بھی میڈیم میں جواب دینے کا حق دینا چاہیے۔ انھوں نے کہا کہ سی بی ایس ای نے یہ فیصلہ کیوں لیا ہے، سمجھ سے بالاتر ہے۔ ابھی یہ فیصلہ دہلی میں نافذ نہیں ہوا ہے لیکن ممکن ہے جلد دہلی میں بھی نافذ ہوجائے۔ انھوں نے کہا کہ ایک طرف حکومت این ای پی میں کہتی ہے کہ ہمیں تعلیم میں مادری زبان کو فروغ دینا ہے تو وہیں دوسری طرف سی بی ایس ای اردو میڈیم کے طلبہ سے اردو میں امتحان دینے کا حق چھین رہا ہے۔ (انقلاب۔ دہلی)

ریاست کے اردو اسکولوں کے اساتذہ اور طلبہ کے مسائل کے حل کے لیے نمائندگی

حیدرآباد (21 ستمبر)۔ اسٹیٹ ٹیچرس یونین تلنگانہ (STUTS) ضلع حیدرآباد کے صدر محمد افتخار الدین کی صدارت میں ایک وفد نے صدر تلنگانہ اردو اکیڈمی طاہر بن حمدان سے ملاقات کی اور ریاست کے اردو اسکولوں، اردو اساتذہ اور طلبہ کے دیرینہ حل طلب مسائل اور دیگر امور پر تفصیلی تبادلۂ خیال کیا۔ صدر اردو اکیڈمی طاہر بن حمدان نے ایسے اردو اسکول جہاں پر اساتذہ کی قلت ہے وہاں اردو ودیا والینٹرس فراہم کرنے کا یقین دلایا جس کا ایس ٹی یو ٹی ایس نے خیر مقدم کیا اور اس کو دور اندیش فیصلہ قرار دیا اور کہا کہ کئی اسکول ایسے ہیں جہاں اردو اساتذہ کی قلت ہے، اس فیصلے سے اردو اسکولوں میں خوشگوار تبدیلی ممکن ہے۔ محمد افتخار الدین نے طاہر بن حمدان کو بتایا کہ سال 2022 میں اردو اکیڈمی کی جانب سے اردو اساتذہ کو بیسٹ اردو ٹیچرس ایوارڈ دیا گیا تاہم ایوارڈ حاصل کرنے والے اساتذہ کو آج تک انعامی رقم نہیں مل سکی جس سے ان میں مایوسی پائی جاتی ہے۔ صدر اردو اکیڈمی نے جلد از جلد انعامی رقم بھی جاری کردینے کا یقین دلایا۔ ساتھ ہی اردو میڈیم میں زیرِ تعلیم غریب طلبہ کے لیے اردو اکیڈمی سے اسکالرشپ دوبارہ جاری کرنے کا مطالبہ کیا گیا، جس پر طاہر بن حمدان نے مثبت ردِ عمل کا اظہار کیا۔ (سیاست۔ حیدرآباد)

اردو، عربی اور فارسی کے پروفیسر ہی ان زبانوں کے بدخواہ

تقرریوں میں تاخیری حربہ، میرٹ کی بجائے اقربا پروری اور بیش تر پروفیسر کی کوتاہ بینی کے سبب کئی سنٹرل یونی ورسٹیوں میں مذکورہ زبانوں کی فیکلٹی چند ایک ٹیچر پر مشتمل

نئی دہلی (15 ستمبر)۔ کسی زبان و ادب کا فروغ اور اس کی ارتقا اس بات پر بھی منحصر ہے کہ اس میں تعلیم و تدریس اور تخلیق کا معیار کیا ہے، ایسے میں اعلا اداروں میں براجمان اہلِ علم و دانش اور زبان و ادب کے خیرخواہوں سے امید کی جاتی ہے کہ وہ متعلقہ زبانوں میں اپنے فرائض کی ادائیگی کرتے ہوئے بہتر سے بہتر کی جستجو کریں گے تاہم یونی ورسٹیوں میں تقرری اور بالخصوص اردو، عربی اور فارسی کے پروفیسر کے بارے میں متعدد ریسرچ اسکالر نے روزنامہ 'انقلاب' سے جو شکایت کی اُس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ حضرات نہ صرف ان زبانوں کے بدخواہ ہیں بلکہ ان کی اقربا پروری اور کوتاہ بینی کے سبب کئی سنٹرل یونی ورسٹیوں میں ان زبانوں کا شعبہ قابلِ رحم حالت میں ہے اور فیکلٹی چند ایک اساتذہ تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔

کئی اسکالر نے نام شائع نہ کرنے کی درخواست کرتے ہوئے شکایت کی کہ کئی سنٹرل یونی ورسٹیاں جن میں الٰہ آباد یونی ورسٹی، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ بھی شامل ہیں، وہاں تقرری کے لیے اشتہارات نکالے جاتے ہیں لیکن تقرری کو اس قدر پیچیدہ بنا دیا گیا ہے کہ چار پانچ برسوں میں بھی یہ عمل مکمل نہیں ہو پاتا۔ دہلی کے ذاکر حسین کالج میں بھی تقرریاں اسی طرح تاخیر اور منسوخی کا شکار ہوتی ہیں۔ جب کسی یونی ورسٹی میں نئے وائس چانسلر کی تقرری ہوتی ہے تو وہ تقرری کے سلسلے میں پہلے جاری کیے گئے اشتہارات کو منسوخ کر دیتا ہے اور نئے سرے سے تقرری کا عمل شروع کیا جاتا ہے، لیکن وائس چانسلر اپنی پانچ سال کی میعاد میں بھی ان تقرریوں کو پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچاتا۔ مختلف مضامین میں تقرری کے لیے عام طور پر انگریزی کے حروفِ تہجی کے اعتبار سے لسٹ تیار ہونی چاہیے، اس حساب سے عربی کا نمبر پہلے آنا چاہیے تھا، لیکن ان تقرریوں کے عمل میں انھیں سب سے بعد میں رکھا جاتا ہے اور اس قدر تاخیری حربہ استعمال کیا جاتا ہے کہ عربی، اردو اور فارسی کی باری آتی ہی نہیں۔ اگر زبانوں کے انٹرویو کی باری آتی بھی ہے تو وائس چانسلر کی میعاد ختم ہونے کے قریب پہنچ جاتی ہے اور پھر انٹرویو ہی نہیں کرایا جا سکتا۔ اسکالر نے بتایا کہ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں تین مرتبہ تقرری کے لیے فارم بھروایا گیا، لیکن وہاں بھی انٹرویو نہیں ہوا۔ الٰہ آباد سنٹرل یونی ورسٹی میں کم از کم چھے مرتبہ تقرری فارم بھروانے کے بعد عربی، اردو اور فارسی کے لیے انٹرویو نہیں ہو سکا۔ اسکالرز نے یہ بھی بتایا کہ جب ان زبانوں میں تقرری کا اعلان کیا جاتا ہے تو درج فہرست ذات، قبائل، ای ڈبلیو ایس، او بی سی سمیت سبھی ریزرو زمرے کو شامل کر دیا جاتا ہے۔ اسکالروں نے بتایا کہ اس طرح کے تاخیری حربے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ مستقل تقرریوں سے بچا جائے اور گیسٹ ٹیچر سے کام چلایا جائے۔ ان یونی ورسٹیوں کو اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ تعلیم اور اس کا معیار متاثر ہو یا پھر کوئی شعبہ ہی کیوں نہ بند ہو جائے۔ عربی شعبے میں گریجویشن میں الٰہ آباد یونی ورسٹی میں طلبہ کی تعداد 90 ہوتی تھی، وہ گھٹ کر بہت کم ہو گئی۔ حالاں کہ ان زبانوں میں لوگوں کا رجحان کافی بڑھا ہے۔ دہلی کے سینٹ اسٹیفن کالج میں کبھی عربی کا شعبہ بند کر دیا گیا تھا، لیکن آج پھر سے اس شعبے کو کھولنا پڑا۔ بیش تر سنٹرل یونی ورسٹیوں کی انتظامیہ کا رویّہ ان زبانوں کے تئیں زیادہ اچھا نہیں۔ الٰہ آباد یونی ورسٹی میں فارسی اور عربی کے شعبے میں اس وقت صرف ایک ایک ٹیچر ہے۔

اسکالروں نے بتایا کہ آل انڈیا عربک اسکالر و ٹیچر ایسوسی ایشن بھی اس سلسلے میں زیادہ کچھ نہیں کرتی کیوں کہ اس کے ذمے داران بھی سروس میں موجود پروفیسرز حضرات ہیں۔ مستقل پروفیسر کی بدنیتی کا یہ عالم ہے کہ وہ اہل اور باصلاحیت لوگوں کو نظر انداز کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کی تقرری کرتے ہیں جو کلرک کے عہدے کے لیے بھی مناسب نہیں۔ ایسا کرنے والے عربی، اردو اور فارسی کے پروفیسروں کی تعداد زیادہ ہے۔ نمائندہ 'انقلاب' کو مزید بتایا گیا کہ اتراکھنڈ جیسی ریاست جہاں مسلمانوں کی قابلِ ذکر آبادی موجود ہے، وہاں چینی زبان کا شعبہ تو ہے لیکن عربی کا نہیں۔ اسی طرح کشمیر جیسی جگہ میں بھی سنٹرل یونی ورسٹی میں عربی کا شعبہ موجود نہیں۔ ان باتوں کے خلاف کوئی آواز اٹھانے والا نہیں۔

(انقلاب۔دہلی)

عالمی معیار کے مطابق اردو لرننگ ایپ کی ضرورت

ڈاکٹر شمس اقبال

قومی اردو کونسل میں اردو لنگویج لرننگ موبائل ایپ کا مواد تیّار کرنے کے لیے دو روزہ ورکشاپ

نئی دہلی (پریس ریلیز، 26 ستمبر)۔ قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دہلی کے زیرِ اہتمام اردو لنگویج لرننگ موبائل ایپ کا مواد تیار کرنے کے لیے دو روزہ ورکشاپ کا اہتمام کیا گیا۔ اس موقعے پر قومی اردو کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر محمد شمس اقبال نے کہا کہ اردو لنگویج لرننگ موبائل ایپ کونسل کا اہم لرننگ ایپ ہے۔ اس کے ذریعے ملک اور بیرونِ ملک کے شائقین اردو زبان سیکھ رہے ہیں۔ آج دیگر ترقی یافتہ زبانوں کے ایپ کی طرح اس ایپ کو بھی اَپ ڈیٹ کرنے اور بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔ آج کا ورکشاپ اسی مقصد کے تحت منعقد کیا جا رہا ہے۔ یہاں ماہرین کو اس لیے بلایا گیا ہے تاکہ وہ عالمی معیار کے مطابق ہمارے مواد اور ایپ کو بہتر بنانے کے سلسلے میں ہمیں مشورے دے سکیں۔ ہمارا ایپ ملٹی پرپز ہونا چاہیے تاکہ بچے اور بڑے سبھی اس سے استفادہ کر سکیں۔ آنے والے دنوں میں اس کی اہمیت مزید بڑھنے والی ہے۔ ہمیں مواد عصری تقاضوں اور ضرورت کے مطابق منتخب کرنا چاہیے۔ اگر عالمی معیار کو اپنایا جائے گا تو اس کے بہتر نتائج سامنے آئیں گے۔

اس ورکشاپ میں پروفیسر جہانگیر احمد وارثی (چیئرمین شعبۂ لسانیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی)، پروفیسر غضنفر (علی گڑھ)، ڈاکٹر شمیم احمد (ایسوسی ایٹ پروفیسر، سینٹ اسٹیفنس کالج، دہلی یونیورسٹی)، ڈاکٹر سید تنویر حسین (اسسٹنٹ پروفیسر، جامعہ ملیہ اسلامیہ)، ڈاکٹر خان شاہد وہاب (پرنسپل، گورنمنٹ بوائز سینئر سیکنڈری اسکول، جسولہ، نئی دہلی)، ڈاکٹر نوشاد منظر (گیسٹ فیکلٹی، جامعہ ملیہ اسلامیہ) وغیرہ بحیثیت ایکسپرٹ شامل ہوئے۔ اس موقعے پر کونسل سے ڈاکٹر شمع کوثر یزدانی (اسسٹنٹ ڈائرکٹر، اکیڈمک)، جناب شاہنواز محمد خرم (ریسرچ آفیسر)، محمد افضل حسین خان، افروز عالم اور فیضان الحق وغیرہ موجود رہے۔

'انشائیہ اور دیگر اصنافِ ادب' کے موضوع پر بزمِ ادبیات، وسنت راؤ نائک گورنمنٹ انسٹی ٹیوٹ ناگپور کے زیرِ اہتمام مذاکرہ منعقد

ناگپور (یکم اکتوبر 2024، پریس ریلیز)۔ 'برسوں کے ارتقائی سفر کے دوران ادبی اصناف مختلف تبدیلیوں، وسعتوں اور امکانات سے آشنا ہوئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب ادب کے طالبِ علم کے لیے ان اصناف کا جاننا اور فن پاروں کا مطالعہ کرنا بے حد لازمی ہے۔ بازار میں دستیاب نوٹس پڑھ کر آپ ڈگریاں تو حاصل کر سکتے ہیں لیکن اپنے اندر ادبی شعور پیدا کرنے کے لیے ادبی تخلیقات اور ان سے متعلق تنقید کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔' ان خیالات کا اظہار معروف انشائیہ نگار محمد اسد اللہ نے کیا۔ وہ وسنت راؤ نائک گورنمنٹ انسٹی ٹیوٹ آف آرٹس اینڈ سوشل سائنسز، ناگپور، معروف بہ اولڈ مورس کالج کے شعبۂ اردو، عربی اور فارسی کی بزمِ ادبیات کے زیرِ اہتمام منعقد افتتاحی تقریب میں 'انشائیہ اور دیگر اصنافِ ادب' عنوان کے تحت طلبہ کی رہنمائی فرما رہے تھے۔

ایم.اے. سالِ دوم عربی کے طالبِ علم محمد شاہد کے تلاوتِ کلام پاک سے اس تقریب کا افتتاح ہوا جس کی صدارت کے فرائض انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر پروفیسر ڈاکٹر منوہر کمبھارے فرما رہے تھے۔ پروگرام کی غرض و غایت ڈاکٹر شیخ عمران نے بیان کی۔ صدر شعبۂ اردو ڈاکٹر نصرت مینو نے مہمانانِ خصوصی کا تعارف پیش کیا۔ ایم.اے. اردو سالِ دوم کی طالبہ فلک نور نے نعت پڑھی اور ایم.اے. فارسی سالِ اول کی طالبہ فاطمہ نے نظامت کے فرائض انجام دیے۔

اس تقریب میں مقررِ خصوصی محمد اسد اللہ نے صنفِ انشائیہ کے خد و خال واضح کرتے ہوئے اس کے ارتقائی سفر پر روشنی ڈالی اور انشائیے اور دیگر اصناف کے مابین تعلق کو واضح کیا۔ انھوں نے کہا کہ اردو میں طنزیہ و مزاحیہ مضامین کو انشائیہ سمجھنے کا چلن عام ہے، اس کا سبب مغرب سے درآمد شدہ اس صنف کے متعلق معلومات کی کمی اور فن پاروں کے مطالعے کا فقدان ہے۔

صدرِ جلسہ نے اپنے صدارتی کلمات میں طلبہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ عزم، حوصلے اور استقلال ہی سے کامیابی ملتی ہے۔ طلبہ ملک کا مستقبل ہیں، انھیں بہترین تعلیم و تربیت سے آراستہ ہونا چاہیے۔ صدر شعبۂ فارسی ڈاکٹر ادھو کامبلے کے اظہارِ تشکر کے ساتھ بزم ادبیات کی تقریب کا اختتام ہوا۔ تقریب میں تینوں شعبوں کے اساتذہ اور طلبہ کثیر تعداد میں موجود تھے۔

مسوڑھی بلاک کے سرکاری اسکولوں میں اردو کے سوال نامے نہیں ملنے سے طلبہ پریشان

مسوڑھی (21 ستمبر)۔ بہار کے تمام سرکاری اسکولوں میں ان دنوں شش ماہی امتحان چل رہا ہے۔ یہ امتحان اٹھارہ سے چھبیس ستمبر تک چلے گا۔ مسوڑھی بلاک کے تحت قریب پانچ اردو پرائمری اور مڈل اسکول ہیں جہاں کے تعلیمی نظام کا اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ 21 ستمبر کو درجہ ششم تک کے بچوں کا اردو پرچے کا امتحان تھا، لیکن ان بچوں کے پاس اردو کا سوال نامہ ہی نہیں پہنچا، جس سے طالبِ علموں کو اور اساتذہ کو بھی کافی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ بہت دیر تک طلبہ سوال نامے کے لیے انتظار کرتے رہے بعد میں کسی اسکول میں بورڈ پر سوال نامہ دیا گیا تو کسی اسکول میں دوسرے ضلع سے استاد نے سوال نامہ موبائل کے ذریعے حاصل کر کے اپنے پیسے سے فوٹو کاپی کرا کر طلبہ کو دیا۔ سوال نامہ کیوں نہیں ملا یہ ایک سوال ہے؟ مسوڑھی بلاک ایجوکیشن آفیسر سے بات کرنے کی کوشش کی، مگر بات نہیں ہو سکی۔ مختلف ذرائع سے ملی جانکاری کے مطابق جب بلاک ایجوکیشن آفیسر سے بات کی گئی تو انھوں نے کہا کہ اس کی خبر ان کو نہیں ہے کہ ابھی تک اردو اسکول میں سوالیہ پرچہ نہیں ملا ہے۔ آخر اس لاپرواہی کا ذمے دار کون ہے؟ کس کی ذمے داری ہے اسکول کے تعلیمی نظام کو درست کرنے کی۔ جانکاری یہ بھی مل رہی ہے کہ بہت سے اردو اسکولوں میں اردو کی کتاب بھی مہیا نہیں کرائی گئی۔ یہ اردو زبان کی حق تلفی نہیں تو کیا ہے۔ جب بچوں کے پاس اردو کی کتاب ہی موجود نہیں ہوگی تو وہ اردو زبان پڑھیں گے کیسے اور امتحان کی تیاری کیسے کریں گے؟ اس طرح کی لاپرواہی طلبہ کے مستقبل کے لیے تشویش ناک ہے۔ (قومی تنظیم۔پٹنہ)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : **خانوادۂ شبلی**
مصنف : ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی
ضخامت : 200 صفحات
قیمت : 300 روپے
ناشر : ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، انصاری روڈ، دریا گنج، نئی دہلی-110002
تبصرہ نگار : ڈاکٹر ابراہیم افسر

E-mail: ibraheem.siwal@gmail.com

یہ بات مبالغہ آمیز نہیں کہ دورِ حاضر میں شبلی نعمانی کے حوالے سے جتنا کام ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے کیا ہے شاید آنے والے وقت میں کوئی دوسرا نہ کر پائے۔ موصوف نے شبلی نعمانی کی مختلف جہتوں پر جس انہماک اور یکسوئی کے ساتھ کتابیں تالیف وتصنیف کیں، اس کی مثال دور دور تک نہیں ملتی۔ الیاس صاحب قارئین اور ناقدین کے سامنے شبلی کے حوالے سے نادر ونایاب موضوعات لے کر آتے ہیں۔ انھوں نے علامہ شبلی کی زندگی اورادبی کارناموں کے علاوہ اب ان کے اہلِ خانہ کو موضوعِ تحقیق بنایا ہے۔ اس سلسلے میں ان کی تحریری کاوش 'برادرِ شبلی مہدی حسن بیرسٹر اوران کے مکاتیبِ لندن' منظرِ عام پر آ چکی ہے۔ اب اس سلسلے کی دوسری کڑی زیرِ نظر کتاب 'خانوادۂ شبلی' ہے۔

اس کتاب میں ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے علامہ شبلی کے اہلِ خانہ کے آٹھ افراد کی سوانح، شخصیت اور کارناموں کو شامل کیا ہے۔ ساتھ ہی ذیلی عناوین کے تحت دیگر افراد کا بھی ذکر شاملِ کتاب ہے۔ زیرِ نظر کتاب میں شبلی نعمانی کے خانوادے کے جن آٹھ افراد کے حالاتِ زندگی اور کار ہائے نمایاں کا تذکرہ کیا گیا، ان میں چودھری سراج الدین، شیخ حسن علی، شیخ حبیب اللہ، مقیمہ بی بی، علامہ شبلی نعمانی، مہدی حسن بیرسٹر، محمد اسحاق وکیل، محمد جنید اور حامد حسن نعمانی کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔

زیرِ نظر کتاب کے پیش لفظ میں ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے لکھا ہے کہ 'خطۂ اعظم گڑھ کو یونان وشیراز سے تشبیہ زمانۂ قدیم سے اربابِ علم وکمال کی وجہ سے دی جاتی ہے۔ اس کی خاک سے بے شمار اہلِ علم وفضل اور مختلف علوم وفنون کے یگانہ روزگار علما، صوفیا، ادبا اور شعرا اٹھے جن کی تابانیوں سے آسمانِ علم و ادب اب تک روشن اور تابناک ہے اور یقین ہے آیندہ بھی رہے گا۔' (ص13) موصوف نے اپنے پیش لفظ میں علامہ شبلی نعمانی کے استاد مولانا محمد فاروق چریاکوٹی اور مولانا عنایت رسول کے خانوادے کے بعد خانوادۂ شبلی کی عظمت کے بارے میں بھی لکھا کہ 'علمی وادبی خانوادوں میں فتوحاتِ علمی کے لحاظ سے شاید سب سے کم اہم خانوادہ علامہ شبلی ہی کا ہوگا، مگران کے علم وفضل وکمال اوران کے نہایت عظیم الشان اور منفرد علمی وتعلیمی اور تصنیفی کارناموں کی بدولت آسمانِ علم وادب پر نمایاں ہوا۔' (ص14) انھوں نے سرزمینِ اعظم گڑھ میں خانوادۂ شبلی کے ذریعے 1883 میں قائم کیے ہوئے نیشنل اسکول اعظم گڑھ، دارالمصنفین کو عظیم ادارے گردانا ہے۔ الیاس صاحب کے مطابق انھوں نے اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصے میں علامہ شبلی اوران کے خانوادے کے افراد واشخاص کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جب کہ دوسرے حصے میں شبلی نعمانی کے تلامذہ اوران کے جانشینوں کا ذکر کیا جائے گا۔ آخر الذکر حصہ ان کے آیندہ کے تصنیفی منصوبوں میں شامل ہے۔

ڈاکٹر الیاس صاحب نے خانوادۂ شبلی کے شجرۂ نسب کے بارے میں لکھا ہے کہ شبلی کا تعلق ایک راجپوت زمین دار گھرانے سے ہے۔ ان کے جدِ امجد ٹھاکر شیوراج سنگھ اوران کے اکلوتے فرزند مان سنگھ مخدوم شاہ سید رکن الدین شہبازؒ کے ہاتھوں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ٹھاکر شیوراج سنگھ کا اسلامی نام سراج الدین چودھری اور ان کے بیٹے مان سنگھ کا نام شہباز چودھری رکھا گیا۔ دونوں کا کم عمر میں انتقال ہوا۔ ان کے سلسلۂ نسب میں چودھری سہراب الدین، شیخ کریم الدین، شیخ عباد اللہ اور منشی شیخ حسن علی وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہے۔ علامہ شبلی کے دادا شیخ حسن علی تھے جن کے یہاں چار بیٹے شیخ حبیب اللہ، شیخ مجیب اللہ، شیخ عجیب اللہ، شیخ نجیب اللہ اور ایک بیٹی مریم بی بی پیدا ہوئی۔ ڈاکٹر الیاس الاعظمی نے علامہ شبلی کے تینوں چچا اور پھوپھی کا تذکرہ بھی کتاب میں کیا ہے۔

زیرِ نظر کتاب میں علامہ شبلی کے والد شیخ حبیب اللہ کی حیات و کارناموں کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔ شیخ حبیب اللہ عربی وفارسی کے عالم تھے۔ ساتھ ہی وہ شعر وشاعری سے بھی شغف رکھتے تھے۔ الٰہ آباد ہائی کورٹ میں وکیل تھے۔ وکالت سے جو پیسہ کمایا اس سے زمینیں خریدیں اور نیل کا کاروبار کیا۔ اپنے بیٹوں کو انھوں نے اعلا تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا۔ انھوں نے اعظم گڑھ شہر میں 'مدرسہ عربیہ' کی بنیاد ڈالی۔ اس مدرسے میں مولانا محمد فاروق چریاکوٹی کو استاد مقرر کیا گیا، جن سے بعد میں علامہ شبلی نے تعلیم حاصل کی۔ سرسید احمد خاں کے قدر شناس تھے اور علی گڑھ تحریک سے گہری دل چسپی تھی۔ انھوں نے ایم اے او کالج کی تعمیر کے لیے 125 روپے نذر کیے۔ شیخ حبیب اللہ کی فیاضی اور علمی قدردانی کا تذکرہ خود سرسید احمد خاں نے اپنے مضامین میں کیا۔ انھوں نے اپنے بیٹوں مہدی حسن اور محمد اسحاق کو علی گڑھ کالج میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیجا۔ شیخ حبیب اللہ نے شبلی نعمانی کے ساتھ ایم اے او کالج کا دورہ بھی کیا۔ موصوف سرسید کی یونائیٹڈ انڈین پیریاٹک سوسائٹی اور آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے رکن تھے۔

زیرِ نظر کتاب میں ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے علامہ شبلی نعمانی کی والدہ مقیمہ بی بی کا مختصر لیکن جامع تعارف پیش کیا ہے۔ مقیمہ بی بی، موضع پھریہاں، ضلع اعظم گڑھ کے ایک رئیس حاجی قربان قنبر انصاری وکیل کی دختر تھیں۔ مقیمہ بی بی کے بطن سے ایک بیٹی اور علامہ شبلی، محمد مہدی حسن، محمد اسحاق پیدا ہوئے۔ 1886 میں ان کا انتقال ہوا۔ علامہ شبلی نعمانی نے اپنی والدۂ ماجدہ کی یاد میں نیشنل اسکول اعظم گڑھ میں 'صدر المنازل' نام سے ایک ہال تعمیر کرایا۔ اب اس کا نام 'مقیمہ بی بی ہال' کردیا گیا ہے۔

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے علامہ شبلی نعمانی کی حیات وشخصیت کے باب میں اختصار سے کام لیا ہے۔ علامہ شبلی نعمانی 4 جون 1857 کو موضع بندول ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ ان کے اساتذہ میں مولوی عبداللہ جیراج پوری، مولانا محمد فاروق چریاکوٹی، مولوی فیض اللہ مؤی، مولانا احمد علی محدث سہارن پوری اور مولانا فیض الحسن سہارن پوری وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ شبلی نعمانی کو علم وادب کا شوق وذوق ابتدا سے ہی تھا۔ اعظم گڑھ کے کتب فروشوں کے یہاں وہ اکثر کھڑے کھڑے گھنٹوں کتابوں کا مطالعہ کرتے۔ اس وقت انھوں نے اپنا ذاتی کتب خانہ قائم کر رکھا تھا۔ مطالعے کی کثرت کی وجہ سے ان کا تقرر ایم اے او کالج علی گڑھ میں ہوا۔ خود سرسید ان کی تعلیمی لیاقت اور مطالعۂ شوق سے بے حد متاثر تھے۔ 1883 میں علامہ شبلی جب عربی وفارسی استاد کی اسامی کے لیے انٹرویو دینے ایم اے او کالج گئے تو وہاں تین دن تک سرسید کی قائم کردہ لائبریری میں کتابوں کے مطالعے میں غرق رہے۔ الیاس صاحب نے اس اہم واقعے کو اپنی کتاب میں دل چسپ انداز میں بیان کیا ہے۔ سرسید کی ایما پر انھوں نے محمڈن ایجوکیشنل کانگریس کے پہلے اجلاس (لکھنؤ میں منعقدہ) کے لیے 'مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم' کے موضوع پر پُرمغز مقالہ پیش کیا۔ اس مقالے کو سننے کے دوران لوگ اُٹھ اُٹھ کر معلوم کرتے کہ مولانا کیا ہمارا ماضی ایسا شان دار تھا۔ شبلی نعمانی نے اپنی تحقیق سے ثابت کیا کہ 'کتب خانہ اسکندریہ' کو مسلمانوں نے نہیں بلکہ عیسائیوں نے جلایا تھا۔ 'المامون' کی دوسری اشاعت پر سرسید نے اس کا دیباچہ رقم کیا۔ علامہ شبلی نے سرسید کی وفات 27 مارچ 1898 کے بعد مئی 1898 میں علی گڑھ کو خیر باد کہا لیکن انھوں نے خود کو ہمیشہ علی گڑھ کالج اور سرسید کے افکار سے وابستہ رکھا۔ شبلی نے سیاسی اعتبار سے ہمیشہ سرسید سے اختلاف کیا۔ لیکن سرسید کی تعلیمی پالیسوں کی تاعمر حمایت کی۔

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے مہدی حسن بیرسٹر کے حوالے سے لکھا کہ وہ خطۂ اعظم گڑھ کے پہلے بیرسٹر ایٹ لا تھے۔ انھوں نے مولانا فاروق چریاکوٹی سے شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ انھوں نے علی گڑھ کالج میں پانچ سال تک تعلیم حاصل کی۔ انھوں نے 1885 میں بیرسٹری کے لیے لندن کا رخ کیا اور کرائسٹ کالج کیمبرج میں ساڑھے تین سال زیرِ تعلیم رہے۔ 1887 میں انھوں نے بیرسٹری مکمل کی۔ الیاس صاحب نے اس باب میں مہدی حسن کے مکاتیب کے چند نمونے شامل کیے ہیں۔ ان مکتوبات سے ان کے سیاسی نظریات اور تعلیم کے تئیں افکار واضح ہوتے ہیں۔ بعض معاملات میں مہدی حسن اہلِ خانہ سے جدا رائے رکھتے تھے۔ کتاب کے آخری باب محمد اسحاق وکیل کے بارے میں بھی الیاس صاحب نے اہم معلومات قارئین تک پہنچائی ہیں۔ بہ قولِ الیاس صاحب وہ بہت ہی فعال، متحرک اور نہائی سرگرم شخص تھے۔ وہ آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے رکن تھے۔

بہر حال، ڈاکٹر الیاس صاحب نے زیرِ تبصرہ کتاب میں خانوادۂ شبلی کے تمام افراد کا مختصر لیکن جامع تعارف پیش کیا ہے۔ انھوں نے کتاب میں خانوادۂ شبلی کے افراد کی بلیک اینڈ وہائٹ تصاویر کا بھی اہتمام کیا ہے۔ شبلی شناسی کے باب میں موصوف یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔ شبلی پر ان کی متعدد کتابیں منظرِ عام پر آ چکی ہیں لیکن موضوع کی تکرار سے انھوں نے اجتناب کیا ہے۔ اس اہم کتاب کو منصۂ شہود پر لانے کے لیے راقم الیاس الاعظمی صاحب کو مبارک باد پیش کرتا ہے۔☆

ریت سمادھی
(گیتانجلی شری)
ترجمہ: آفتاب احمد
قیمت: 900 روپے

اردو ہندی ڈکشنری
انجمن ترقی اردو (ہند)
قیمت: 300 روپے

اسٹینڈرڈ
انگلش اُردو ڈکشنری
مولوی عبدالحق
قیمت: 500 روپے

بقیہ: سوانحی لغات اور اہلِ قلم کی درست تاریخ ہائے پیدائش ووفات

(بقیہ صفحہ 2 سے آگے)

طور پر مالک رام کی کتاب کے برعکس اس میں اندراجات کے ساتھ ماخذ کی نشان دہی نہیں کی گئی اور آخر میں صرف ایک فہرست دے دی گئی ہے جس سے یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ کس کتاب سے کون سی معلومات اخذ کر کے کہاں درج کی گئی ہیں۔ کئی اندراجات تشنہ ہیں اور کچھ اغلاط بھی ہیں۔

البتہ ہندستان سے مطبوعہ محترمہ سنجیدہ خاتون کی کتاب بیسویں صدی (نصفِ اول) کے اردو مصنّفین[19] اچھا کام ہے لیکن صرف ایک جلد اور تقریباً ساڑھے پانچ سو صفحات پر مبنی اس کتاب میں صرف ایک سو سینتالیس (۱۴۷) مصنّفین کا ذکر آسکا ہے۔ اس کتاب میں صرف کوائف یا تاریخیں نہیں ہیں بلکہ سوانحی حالات شذرے کی شکل میں ہیں اور تصانیف کی فہرست بھی دی گئی ہے۔

ہندستان سے انگریزی میں عابدہ سمیع الدین کی Encyclopedic Dictionary of Urdu Literature دو جلدوں میں شائع ہوئی[20]۔ اس میں شخصیات کے علاوہ اہم کتب کا بھی احوال بیان ہوا ہے۔ محنت سے کیا گیا کام ہے لیکن اس میں بعض مقامات پر تسامح نظر آتے ہیں، مثلاً فرہنگِ آصفیہ کی تدوین وترتیب کا عرصہ پچاس سال لکھا گیا ہے (جلد اول، ص ۸۷-۱۹۷۷ء) حالاں کہ اس کے مولف سید احمد دہلوی نے یہ عرصہ 'سی سال' (تیس سال) بتایا ہے اور صحیح معنوں میں تو یہ مدت چوبیس پچیس سال ہی ہے[21]۔ اسی طرح عابدہ سمیع الدین نے لکھا کہ ابھی پہلی جلد چھپ رہی تھی کہ مولف سید احمد دہلوی کا انتقال ہوگیا، یہ بھی درست نہیں ہے[22]۔

ہندستان سے اس نوعیت کا ایک اور کام فرہنگِ ادبِ اردو کے نام سے شائع ہوا ہے جس کے مولف سرسوتی سرن کیف ہیں[23]، لیکن اس میں مولف نے شخصیات تو کم لی ہیں اور بیان و بدیع وعروض کی اصطلاحات زیادہ لی ہیں اور بعض مراکزِ علم وادب مثلاً اعظم گڑھ بھی درج کیے ہیں۔ البتہ شخصیات کا سالِ پیدائش اور سالِ وفات تو دیا ہے تاریخ اور مہینے کی تلاش وتحقیق کی زحمت میں نہیں پڑے۔

ایک ضخیم کام ہندستان سے سوانحی انسائیکلو پیڈیا کے عنوان سے شائع ہوا ہے جس کے مولف رضاء الرحمٰن عاکف سنبھلی ہیں[24]۔ مفید کام ہے لیکن اس میں انھوں نے ہر شاعر کا ایک شعر بطورِ نمونۂ کلام دیا ہے جو غیر ضروری ہے۔ ہر لکھنے والے کے کوائف دینے کے بعد خصوصی معلومات دی ہیں جو مفید ہیں لیکن اس کے بعد ہر لکھنے والے کا اسلوبِ نگارش اور نثر یا نظم کی خوبیاں بیان کی ہیں۔ یہ حصہ نہ صرف غیر ضروری ہے بلکہ موضوعی (subjective) ہے اور سوانحی لغت میں انداز معروضی (objective) ہونا چاہیے۔ لیکن بہر حال پانچ سو سے زیادہ صفحات پر محیط اس کام کو سراہا جانا چاہیے کہ غنیمت ہے۔ البتہ ہر اندراج کا حوالہ الگ الگ دینے کے بجائے آخر میں فہرستِ مآخذ ٹانک دی گئی ہے۔ اس طرح کے کاموں میں ہونا یہ چاہیے کہ ہر اندراج کے فوراً بعد مختصراً ماخذ کا ذکر کر دیا جائے اور آخر میں فہرستِ مآخذ میں طباعتی تفصیلات فراہم کی جائیں۔

☆ دیگر مآخذ

اہلِ قلم کی سوانحی تفصیلات ان کتب اور تذکروں میں بھی مل جاتی ہیں جو مختلف علاقوں یا شہروں کے مشاہیر کا ذکر کرتی ہیں اور ان کی بھی بہت بڑی تعداد ہے جن کی تفصیل یہاں دینی ممکن نہیں، مثلاً مشاہیرِ بہار، مشاہیر اکبر آباد، مشاہیرِ سندیلہ، مشاہیرِ کشمیر، مشاہیرِ میرٹھ وغیرہ۔ لیکن ان میں بالعموم اہلِ قلم کے علاوہ دیگر شعبوں کے زعما وعظام کے نام بھی شامل ہوتے ہیں اور ان میں سے اہلِ قلم کو تلاش کرنا پڑتا ہے۔

سوانحی تفصیلات اور وفیات کے ضمن میں ادبی رسائل نے اہم کام کیے ہیں اور بعض اہلِ علم واہلِ قلم کے بارے میں بنیادی معلومات بھی ادبی رسائل میں شائع ہونے والے یادگاری یا تعزیتی مضامین سے حاصل ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ رسائل کے خصوصی شمارے یا مرحومین پر خصوصی اشاعتیں اہم مآخذ ہیں، مثلاً نقوش (لاہور) کے خصوصی یا موضوعاتی شمارے، سب رس (کراچی) کا یادِ رفتگاں نمبر (دو جلدیں)، شاعر (بمبئی) کا ہم عصر اردو ادب نمبر جس میں خاصی تعداد میں اہلِ قلم کے کوائف دیے گئے۔ اس طرح کے خصوصی نمبر یا خصوصی اشاعتیں بہت بڑی تعداد میں ہیں اور ان سب کا ذکر بھی یہاں ممکن نہیں۔ خصوصی اشاعتوں کے علاوہ بعض رسائل پابندی سے وفیات شائع کرتے ہیں جو آگے چل کر اہم ریکارڈ بن جاتا ہے اور حوالے کا کام کرتا ہے۔ پاکستان اور ہندستان میں ایسے ادبی رسائل بڑی تعداد میں ہیں (یا تھے) جو وفیات شائع کرتے ہیں (یا تھے)، مثلاً اردو دنیا، ہماری زبان، قومی زبان، اخبارِ اردو، العلم، معارف، برہان، اوراق، وغیرہ (یہ فہرست بہت طویل ہوسکتی ہے)۔ اخبارات میں شائع ہونے والی خبریں بھی اس سلسلے میں اہم ہوتی ہیں اور ان کا جمع کرنا کارے دارد ہے اور منیر سلیچ جیسے باہمت ہی یہ ہفت خواں سر کر سکتے ہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ بعض رسالوں میں وفیات میں شخصیت کے مکمل کوائف یا تمام تصانیف کے نام نہیں دیے جاتے۔ بعض رسالے تو ایسے بے نیاز ہوتے ہیں کہ لکھ دیتے ہیں کہ 'گذشتہ دنوں' فلاں صاحب انتقال کر گئے۔ اب آپ مہینہ اور تاریخ تلاش کرتے رہیے۔

رسالوں میں یا کتب میں یادگاری مضامین یا تعزیتی وتاثراتی مضامین نیز شخصی خاکوں پر مبنی کتابیں بھی اہم ماخذ ہوسکتی ہیں مگر ان میں اکثر تاریخِ وفات یا تاریخِ پیدائش یا دونوں نہیں ہوتیں۔ سوانح عمریاں اور خود نوشتیں بھی اہم ذریعہ ہوتے ہیں۔ جامعات میں حصولِ سند کے لیے لکھے گئے مقالات میں بھی تاریخیں ملتی ہیں مگر ان میں سے اکثر غیر مطبوعہ ہی رہتے ہیں۔

ادبی رسائل میں اہلِ قلم کی مطبوعہ وفیات بعد میں آنے والے محققین اور ادب کے طالب علموں کے لیے بہت مفید ثابت ہوتی ہیں۔ تحقیق کے موضوعات کی تلاش میں سرگرداں ایم فل اور پی ایچ ڈی کے طالبِ علم اگر ان رسائل سے اہلِ قلم کی وفیات مرتب کریں، مثلاً وفیاتِ 'قومی زبان' یا وفیاتِ 'ہماری زبان' یا وفیاتِ 'اخبارِ اردو' وغیرہ تو یہ ایک اہم اور مفید کام ہوگا۔ (باقی آئندہ)

چند فکری وتاریخی عنوانات
پروفیسر حکیم سیّد ظل الرحمٰن
قیمت: 400 روپے

عہدِ وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ کے چند اہم پہلو
اقتدار عالم خاں
قیمت: 350 روپے

انجمن ترقی اردو (ہند) کی چند مطبوعات

اردو املا اور حروفِ تہجی: لسانیاتی تناظر	رؤف پاریکھ	300/-
رموزِ اوقاف: کب، کہاں اور کیوں؟	ڈاکٹر شمس بدایونی	300/-
غروبِ شہر کا وقت	اُسامہ صدیق	900/-
کچھ اُداس نظمیں	ہربنس مکھیا	300/-
میانِ من وتو (تحقیقی وتنقیدی مضامین)	پروفیسر شاہد کمال	500/-
میرا جنون اردو (خطبات ومضامین)	طاہر محمود	700/-
میر کی خود نوشت سوانح (نثار احمد فاروقی)	صدف فاطمہ	400/-
کلّیاتِ خطباتِ شبلی	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	400/-
آزادی کے بعد کی غزل کا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر بشیر بدر	500/-
اداریے (مشفق خواجہ)	محمد صابر	500/-
انور عظیم کی ادبی کائنات	فیضان الحق	700/-
بچوں کا گلدستہ (پانچ جلدیں)	غلام حیدر	2400/-
تحقیق وتوازن	ڈاکٹر نریش	250/-
تحقیقی مباحث	رؤف پاریکھ	300/-
چند فکری وتاریخی عنوانات	پروفیسر حکیم سیّد ظل الرحمٰن	400/-
ریت سمادھی (گیتانجلی شری)	ترجمہ: آفتاب احمد	900/-
حکمِ سفر دیا تھا کیوں	شانتی ویرکول	200/-
عہدِ وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ کے چند اہم پہلو	اقتدار عالم خاں	350/-
قدرت کا بدلا (موسم کا بدلاؤ)	سیّد ضیاء حیدر	600/-
کتابیاتِ حالی	ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد	300/-
یہ تو عشق کا ہے معاملہ	ڈاکٹر ہلال فرید	300/-
جب دیوں کے سر اُٹھے	ڈاکٹر ہلال فرید	360/-
سیر المنازل (مرزا سنگین بیگ)	شریف حسین قاسمی	600/-
محرابِ تمنا	فطرت انصاری	200/-
مکتوباتِ مولوی عبدالحق بنام مشاہیر...	میر حسین علی امام، یاسمین سلطانہ فاروقی	700/-
لفظ (کلیاتِ زہرا نگاہ)	زہرا نگاہ	500/-
In This Live Desolation (Autobiography of Akhtarul Iman)	ترجمہ: بیدار بخت	500/-
سخنِ افتخار (کلیاتِ افتخار عارف)	افتخار عارف	1500/-
گواہی (شاعری)	گوہر رضا	500/-
میری زمین کی دھوپ (ہندی)	ونود کمار ترپاٹھی بشر	400/-
کھُلا دروازہ	ڈاکٹر نریش	250/-
ٹیپو سلطان کا خواب (گریش کرناڈ)	محبوب الرحمان فاروقی	300/-
اپنی دنیا آپ پیدا کر	غلام حیدر	900/-
وقائعِ بابر	ظہیر الدین محمد بابر	1000/-
In This Poem Explanateions of Many Modern Urdu Poem (میراجی)	بیدار بخت	600/-
میری زمین کی دھوپ	ونود کمار ترپاٹھی بشر	600/-
اُردو شاعرات اور نسائی شعور	ڈاکٹر فاطمہ حسن	330/-
مجھے اک بات کہنی ہے	شاہد کمال	400/-
انتخابِ غالب	امتیاز علی عرشی	600/-
باغِ گلِ سرخ	افتخار عارف	300/-
رفتگاں کا سراغ	سرور الہدیٰ	450/-
کلّیاتِ مصطفیٰ زیدی	سرور الہدیٰ	900/-
اے زمینِ وطن اور دیگر مضامین	ڈاکٹر نریش	225/-
ارمغانِ علی گڑھ	پروفیسر خلیق احمد نظامی	400/-
تاریخ وآثارِ دہلی	معین الدین عقیل	100/-
مجموعۂ سلام مچھلی شہری	بیدار بخت	700/-
کستوری کُنڈل بسے	ڈاکٹر نریش	250/-
اپنی لاڈلی ڈینش بچّی کے نام گاندھی جی کے محبت نامے	نصر ملک	250/-
سرمایۂ کلام	منیب الرحمان	500/-

موجودہ دور میں میرؔ پر بہت کام کرنے کی ضرورت ہے: ڈاکٹر اطہر فاروقی

انجمن ترقی اردو (ہند) کے زیرِ اہتمام شاعر رنجیت ہوسکوٹے کی تخلیق کردہ میرؔ کے 150 منتخبہ اشعار کے ترجمے کی رسمِ اجرا

نئی دہلی (29 ستمبر)۔ انجمن ترقی اردو (ہند) کے زیرِ اہتمام جشنِ میرؔ کی تین سو سالہ تقریبات کے سلسلے کے تحت موجودہ دور میں انگریزی کے سب سے بڑے شاعر رنجیت ہوسکوٹے کی تخلیق کردہ میرؔ کے 150 منتخبہ اشعار کے معاصر حسّیت سے ہم آہنگ ترجمے کی رسمِ اجرا آج انڈیا ہیبیٹیٹ سنٹر کے گل مہر ہال میں اہم ترین شخصیات کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ اس موقعے پر افتتاحی تقریر میں انجمن ترقی اردو (ہند) کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر اطہر فاروقی نے کہا کہ ابھی میرؔ تقی میرؔ پر بہت کام کرنے کی ضرورت ہے۔ ذکرِ میر کے سنسرڈ حصّے پر گفتگو کے دوران انھوں نے کہا کہ اول تو ان لطائف سے میرؔ کی حزن و یاس کے مجسم ہونے کی جو غلط تصویر ہمارے ذہنوں پر نقش ہوگئی ہے، اس کی مکمل تردید ہوتی ہے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ان لطائف سے ہی میر اور فارسی کے مشہور شاعر بیدلؔ دہلوی کے رشتوں کا سراغ ملتا ہے۔ بدقسمتی سے میرؔ تقی میرؔ کے کسی نقاد یا شارح نے میرؔ کی شاعری پر بیدلؔ کے اثرات کا جائزہ اس لیے نہیں لیا کیوں کہ انھوں نے ’ذکرِ میر‘ کے اس آخری حصے کو پڑھا ہی نہیں تھا۔

اس موقعے پر رنجیت ہوسکوٹے نے کہا کہ وہ انگریزی کے شاعر ہیں مگر میرؔ کی آفاقیت نے انھیں نہ صرف میرؔ کی شاعری کا ترجمہ کرنے کی طرف راغب کیا بلکہ اس ترجمے کے لیے انھوں نے اردو میں موجود تمام ضروری مواد کا مطالعہ کیا جن میں ’ذکرِ میر‘ کا وہ حذف شدہ حصہ بھی شامل ہے جسے سنسرڈ کیا گیا تھا۔ انھیں ان 150 اشعار کے ترجمے میں تقریباً چار برس اس لیے لگے کہ میرؔ کے استعارات ہی نہیں بلکہ ان کی لفظیات بھی نہ صرف کثیر المعانی ہے بلکہ ان لفظیات سے واقفیت کے لیے اس زمانے کی دلّی میں ان الفاظ کے رائج معنی اور تلازمات سے واقفیت بھی ضروری ہے جب میرؔ شاعری کر رہے تھے۔

رنجیت ہوسکوٹے نے مزید کہا کہ میرؔ پر کام کرنے کی ضرورت نہ صرف ہر زبان میں ہے بلکہ ان کی شاعری کے ساتھ ان کی دیگر تصنیفات کے ترجمے بھی ہونے چاہئیں۔ اس طرح ہمیں میرؔ کے زمانے کے ان سیاسی اور معاشرتی حالات کا بھی علم ہو سکے گا جو مورخ کی نظر سے چوک گئے یا پھر اس نے کسی مصلحت سے ان واقعات کو نظر انداز کیا۔

سابق مرکزی وزیرِ خارجہ جناب سلمان خورشید نے میرؔ کے حوالے سے انجمن کی طرف سے کیے جا رہے کاموں کی ستائش کی اور کہا کہ اس کو مزید جاری رکھا جائے۔ انھوں نے میر کے حوالے سے جناب رنجیت ہوسکوٹے سے ایک اہم انٹرویو بھی کیا۔

واضح رہے کہ میرؔ تقی میر کی تین سو سالہ تقریبات کے سلسلے کا آغاز انجمن ترقی اردو (ہند) نے اردو دنیا میں ایک بڑے جلسے سے کیا تھا جس میں دیوانِ میر کے بڑے حصے کی ناگری لپی میں اشاعت بہ عنوان ’چلو ٹک میر کو سننے‘ اور میرؔ کی خودنوشت سوانح ’ذکرِ میر‘ کے مکمل یعنی غیر بریدہ متن کی انجمن ترقی اردو (ہند) ہی سے اشاعت کی رسمِ اجرا بھی کی گئی۔ اس متن کی مکمل اشاعت انجمن ترقی اردو (ہند) کا تاریخ ساز کارنامہ ہے۔ بدقسمتی سے ’ذکرِ میر‘ کی مخطوطے کی کتابی شکل میں پہلی اشاعت 1928 میں انجمن ترقی اردو (ہند) سے ہوئی جس میں کتاب کے آخری حصے کو جو میرؔ کے زمانے کی معاشرتی، ادبی اور تہذیبی فضا سے متعلق لطائف پر مشتمل تھا، سنسر کرنے کا مجرمانہ فعل پہلی بار اردو کے کسی ادارے سے سرزد ہوا مگر ’خطاے بزرگاں گرفتن خطا است‘ کے مقولے پر عمل کرتے ہوئے انجمن کے موجودہ جنرل سکریٹری ڈاکٹر اطہر فاروقی نے ’ذکرِ میر‘ کے مکمل متن کا اردو ترجمہ شائع کر دیا۔ اس کے بعد انجمن نے 15 سے 18 فروری 2024 کو انڈیا انٹرنیشنل سنٹر کے اشتراک سے شاہ جہان آباد کو مرکز میں رکھ کر میرؔ کا جو چار روزہ جشن کیا، اس سے پہلے خداے سخن کا ویسا جشن کبھی نہیں ہوا تھا۔

اس جلسے میں دلّی میں میرؔ کی شاعری سے دل چسپی رکھنے والے غیر اردو داں شائقین بھی بڑی تعداد میں شریک ہوئے۔

~~~~~~~

جناب رنجیت ہوسکوٹے کی کتاب کی رسمِ رونمائی کا ایک منظر

تصویر میں (دائیں سے بائیں): محترمہ میوتشی مکھرجی، جناب رنجیت ہوسکوٹے، محترمہ عائشہ نجیب اور جناب سلمان خورشید۔

مدیر : اطھر فاروقی
Editor : Ather Farouqui
شریکِ مدیر: محمد عارف خاں
Joint Editor : Mohd. Arif Khan
پرنٹر پبلشر : عبدالباری
Printer Publisher : Abdul Bari
مطبوعہ : جاوید پریس، 2096، رودگراں، لال کنواں، دہلی-٦
مالک : انجمن ترقی اردو (ہند)
اردو گھر، 212، راؤز ایونیو، نئی دہلی-110002
Proprietor:
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue,
New Delhi-110002
قیمت : فی شمارہ: پانچ روپے، سالانہ: 200 روپے
بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر
Subscription: (Per Issue): Rs. 5/-, Annual: 200/-
(Foreign Countries: US $ 8)
E-mail: hamarizaban.weekly@gmail.com
http://www.atuh.org,
Phones: 0091-11-23237722

ادارے کا مضمون نگاروں کی آرا سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے (ادارہ)

Printed and Published by ***Abdul Bari*** on behalf of Anjuman Taraqqi Urdu (Hind), Urdu Ghar, 212, Rouse Avenue, New Delhi-110002 and Printed at Javed Press, 2096, Rodgran, Lal Kuan, Delhi-110006, Editor: ***Dr Ather Farouqui***
~~~~~~~